تصوّرِ مذہب کے مختلف نظریے

حنا خراسانی رضوی[1]
hinakhorasanyrizvi@yahoo.com

کلیدی کلمات: ارواح پرستی، مظاہر پرستی، فطرت پرستی، سحر پرستی، شامن یا پروہت، بت پرستی، توحید

خلاصہ

مذہب کیا ہے؟ اور انسان کے ساتھ اس کے تعلق کی مدت کتنی ہے؟ کیا ابتداء ہی سے یہ انسانی فکر کا حصہ تھا یا پھر انسان نے زمین پر آباد ہونے کے بعد رفتہ رفتہ اس سے واقفیت حاصل کی؟ یہ وہ موضوعات ہیں جو ہمیشہ اور ہر دور میں زیر بحث رہے ہیں۔ خواہ قدیم دور کے عظیم فلسفی و مفکرین یا جدید دور کے سائنسدان، سب نے اپنے اپنے انداز میں مذہب کی حقیقت اور اس کے اسرار جاننے کی جستجو کی ہے۔ اسی فکر و جستجو کے باعث آج بہت سے اسرار و معمے سلجھے نظر آتے ہیں جو ماضی میں حیرت و استعجاب کا سبب تھے اور نہ سمجھ میں آنے والی توجیہ کے باعث ماورائے عقل سمجھے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر چاند اور سورج کو کئی قدیم قوموں میں معبود کا درجہ حاصل تھا۔ جن کے آگے جھک کر بندگی کا اظہار کیا جاتا اور مرادیں مانگی جاتیں۔ انہیں خوش کرنے کیلئے طرح طرح کے جتن کئے جاتے اور ان کی ناراضگی سے ڈر اور خوف محسوس کیا جاتا اور اسے تباہی اور بربادی کا باعث سمجھا جاتا تھا، لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ یہ چاند و سورج کوئی معبود نہیں بلکہ اس وسیع و عریض کائنات کا معمولی حصہ ہیں۔

اُردو لغت میں مذہب کے معنی ''راستہ یا طریقہ'' کے ہیں۔(1) عام طور پر مذہب کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ کہ مافوق الفطرت قوت کی اطاعت، عزت اور عبادت کے لئے بااختیار تسلیم کرنے کا عمل مذہب ہے۔ انسائیکلو آف ریلیجن اینڈ ریلیجنز(Encyclopedia of Religion And Religions) میں مذہب کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

> *''Religion is a complex of doctrines and practices and institutions.It is a statement of belief, in gods and God''(2).*

مذہب عقائد، عمل اور اداروں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ ایمان کا اظہار ہے خداؤں پر اور خدا پر۔

دنیا میں مذاہب کی تعداد کا تعین اس کی کثرت کے باعث ناممکنات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ تعداد ہزاروں پر مشتمل ہوگی۔ ان میں کچھ مذاہب ایسے ہیں جن کے پیروکاروں کی تعداد کروڑوں تک پہنچی ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ماننے والوں کی تعداد سو دو سو سے اوپر نہیں۔ مذہب کی کثیر تعداد کی بدولت انہیں پہچان دینے کے لئے مختلف حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جو مذاہب خدائے واحد پر یقین رکھتے ہیں انہیں توحید پرست مذاہب (Monotheistic) کہا جاتا ہے۔ بت پرستی اور بے شمار دیوی دیوتاؤں کے قائل مذاہب، کثرت پرست یا بت پرست (Polytheisti) کہلاتے ہیں۔ وہ مذاہب جو کئی خداؤں کے ساتھ ساتھ ایک برتر خدا کے وجود پر بھی یقین رکھتے ہیں انہیں (Theistic) کا نام دیا جاتا ہے۔

ایسے مذاہب جن میں خدا کا تصّور واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا ہو ان کے لئے (Non Theistic) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ بعض مذاہب ایسے ہیں جو دو قوتوں، خیر و شر یا نیکی و بدی کے خداؤں کے قائل ہیں، انہیں (Dualistic) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بیشمار خداؤں کی موجودگی میں سب سے بہتر اور طاقتور خدا کو قابلِ پرستش ماننے والے مذاہب (Henotheistic) کہے جاتے ہیں۔ جرمنی کے اسکالر برائے مذہبیات و

1۔ ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

لسانیات فریڈرچ میکس میولر (Friedrich Max Muller، ۱۹۰۰ء-۱۸۲۳) اس اصطلاح کو قدیم مصر کے فرمانرواں عامون حوطپ چہارم المعروف اخناطون کے مذہب کے لئے مختص کرتے ہیں جس نے مصر میں پہلی مرتبہ خدائے واحد "عاطون" کی پرستش رائج کی تھی۔

برطانوی ماہر بشریات ای بی ٹیلر (Sir Edward B. Tylor، ۱۸۳۲ء-۱۹۱۷ء) ۱۸۷۱ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب Primitive Culture "مظاہر پرستی اور اس میں موجود روح کے تصور" کو انسان کے مذہب کی ابتداء قرار دیتے ہیں۔ جسے وہ Animism کا نام دیتے ہیں۔ ٹیلر اپنے نظریئے کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حالتِ نیند میں خواب دیکھنے کے عمل نے انسان کی فکر میں روح کے تصور کو جنم دیا۔ ابتدائی انسان کے لئے خواب پراسرار اور نہ سمجھ میں آنے والا عمل تھا۔ جس میں وہ اپنے ان عزیز و اقارب کو بھی زندہ انسانوں کی مانند روز مرّہ کے کاموں میں مشغول پاتا تھا جو موت کے باعث حرکت سے بھی عاجز تھے۔

علاوہ ازیں یہ مردہ عزیزواقارب حالتِ خواب میں فائدہ و نقصان یا خطرے سے متعلق پیشن گوئی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ تھے۔ اس صورت حال سے اُن ابتدائی انسانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جسم کا بے حرکت ہو جانا یعنی موت، اختتام نہیں ہے بلکہ اصل چیز روح ہے جو فنا نہیں ہوتی بلکہ موت کے بعد جسم کی قید سے آزاد ہو کر کسی اور دنیا میں چلی جاتی ہے اور وہاں مصروفِ عمل رہتی ہے۔

ٹیلر کے مطابق روح کا تصور صرف انسانوں ہی کے لئے مختص نہیں تھا بلکہ مظاہرِ فطرت میں موجود ہر شئے، پہاڑ، دریا، پتھر، بارش، درخت، ہوا، دریا، مٹی اور جانور روح کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ روحوں کے ساتھ یہ تصّور بھی منسلک تھا کہ یہ زندہ انسانوں کو نفع نقصان پہنچانے کا سبّب بھی بن سکتی ہیں۔ اسی تصّور کے پیشِ نظر انسان ان کی خوشی اور ناراضگی کے تصّور سے آگاہ ہوا۔ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے ان کی خدمت میں قیمتی تحائف اور نذرانے پیش کیے اور ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے مناجات و بھجن کے ذریعے منت سماجت سے کام لیا۔ یہی اعمال آگے جا کر مذہب کی بنیاد بن گئے۔ (3)

فطرت پرستی انسان کی اولین تصّورات میں سے ہے۔انسان نے فطرت میں موجود ہر اس شئے کو قابلِ تعظیم سمجھا جو اسے فائدہ یا نقصان پہچانے کا سبّب بنی۔ ان میں چاند، سورج، ستارے، پیڑ پودے، آگ ہوا اور پانی تک شامل ہیں۔ سرد علاقوں میں سورج پرستی کے آثار ملتے ہیں اور گرم علاقوں میں چاند کی پرستش کے۔ جرمن ماہرِ مذہبیات فریدرک میکس میولر Friedrich Max Muller (۱۸۲۳ء-۱۹۰۰ء) مذہب کی ابتدا کا محرّک، انسان کا فطرت میں موجود طاقتوں کے تصّور پر غور کو قرار دیتے ہیں۔

اس ضمن میں ان کا ماننا ہے کہ ابتدائی انسان کے لئے موسموں کی تبدیلی، رات و دن کا چکر، چاند کا گھٹنا وبڑھنا اور موجوں کے اتار چڑھاؤ جیسے فطرت کے مظاہرے حیرت انگیز اور متاثر کن تھے۔ اس نے انہیں پہچان دینے کے لئے مختلف نام دے رکھے تھے اور ان سے منسوب قصے و کہانیاں بنا رکھی تھیں۔ جو سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتی رہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ دیوی دیوتاؤں سے منسوب ہو کر مذہب کے تصّور میں ڈھل گئے۔ میولر اس کی مثال قدیم یونانی قصوں میں موجود سورج دیوتا اپولو اور صبح صادق کی دیوی ڈیفینی کی مثال پیش کرتے ہیں کہ یونانی عقائد کے مطابق دیوتا اپولو، دیوی ڈیفنی سے محبت کرتا تھا لیکن ڈیفینی اس سے خائف رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ڈیفینی کو پکڑنے کے لئے اپولو اس کے پیچھے بھاگا مگر وہ ہاتھ نہ آئی اور اس سے دور بھاگ گئی۔ پھر یہ سلسلہ ہمیشہ یوں ہی چلتا رہا کہ جب بھی اپولو (سورج) آتا تو ڈیفینی (سویرا) غائب ہو جاتی۔ (4)

ٹیبو (Taboo) کو بھی مذہب کی ابتدا کا ایک عنصر مانا جاتا ہے جو بہ یک وقت مقدّس و پاکیزہ، متبرک، پراسرار، خطرناک، منحوس، پاک، ناپاک اور حلال وحرام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جرمن فلسفی و ماہرِ نفسیات میکس ونٹ Wilhelm Maximilian Wundt (۱۸۳۲ء-۱۹۲۰ء) ٹیبو کو تمام مذاہب سے قدیم اور اس زمانے کی یادگار مانتے ہیں جب انسانی ذہن میں کسی خدا یا دیوتا کی کوئی شبیہہ موجود نہیں تھی۔ ان کے نزدیک ٹیبو دراصل ابتدائی انسانوں کا بدروحوں پر اعتقاد کا اظہار ہے جو ہر اس چیز میں موجود ہوتی ہیں جنھیں ٹیبو قرار دیا گیا ہو۔ ان ٹیبو کو چھونا یا ان کا غلط استعمال، خواہ وہ مقدّس ہوں یا ناپاک ہولناک نتائج کا باعث بن سکتے ہیں۔

آسٹریائی ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ Sigmund Freud (۱۸۵۶ء۔۱۹۳۹ء) اپنے مشہورِ زمانہ مضمون ''Totem And Taboo'' میں ٹیبو کی وضاحت '' حرام اور ممنوع'' کے معنوں میں کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ٹیبو کا اطلاق ان اعمال پر ہوتا ہے جس کی کسی قوم، قبیلے یا مذہب میں سخت ممانعت کی گئی ہو اور اس کی انجام دہی گناہِ کبیرہ کا باعث خیال کی جاتی ہو۔ پولینیشیا، ملینیشیا اور افریقہ کے وحشی قبیلوں میں اب بھی ٹیبو کی حد درجہ پابندی کی جاتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کڑی سزا کا موجب قرار دی جاتی ہے۔ خصوصاً عورتوں کو جنھیں پیدائش اور دوسرے نسوانی مسائل کے باعث ٹیبو سمجھا جاتا ہے۔

اس دوران ان پر مقدّس جگہوں پر جانے اور مقدّس اشیاء کو چھونے کی سخت پابندی عائد ہوتی ہے۔ افریقہ کے بعض علاقوں میں عورتوں کو ان مسائل کی مدّت تک ناپاک سمجھتے ہوئے آبادی سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ ان کی نحوست کے اثرات قبیلے کے کسی شخص پر نہ پڑیں۔ اسی طرح ان اقوام میں مُردوں کو بھی ٹیبو سمجھا جاتا ہے اور ان سے بچنے اور انہیں جلد سے جلد دفنانے یا ٹھکانے لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مُردوں کو ہاتھ لگانے یا دفنانے والا بھی مخصوص مدّت تک کے لئے ٹیبو قرار دیا جاتا ہے اور اس عرصے میں اس پر اپنے گھر میں داخلے پر بھی پابندی عائد ہوتی ہے۔

ٹیبو کی ایک قسم مانا (Mana) کہلاتی ہے۔ جس سے مراد مظاہرِ فطرت میں پائی جانے والی ایک پراسرار روحانی قوّت " شوریگا" ہے۔ اس قوّت کے حامل قبیلے کے کچھ خاص افراد ہوتے ہیں جو اس کے ذریعے مظاہرِ فطرت میں موجود ارواح سے تعلق جوڑ لیتے ہیں اور انہیں اپنا تابع کر لیتے ہیں۔ قبیلے کے عام افراد اُن خاص افراد کے ذریعے اس قوّت کو حاصل کر سکتے ہیں خصوصاً بیماری اور بری ارواح و بلاہیات کو دور بھگانے کے لئے ان خاص و مقدّس افراد کو چھونا، دیکھنا یا ان کا جھوٹا کھانا پینا مفید سمجھا جاتا ہے۔ انیسویں صدی میں ملینیشیا کے مقامی باشندوں میں بھی مانا کا رجحان پایا گیا۔

دورِ جدید میں مذاہب کے موضوع پر لکھی گئی کتاب Religions Of The World کے مصنف لیوس مور Lewis M. Hopfe (۱۹۳۵۔ ۱۹۹۲ء) نہ صرف قدیم انسانوں میں مظاہرِ فطرت میں موجود اشیاء کو مقدّس اور لائقِ تعظیم سمجھنے کے رجحان کی تائید کرتے ہیں بلکہ وہ اس کے اثرات جدید مذاہب میں بھی بدرجہ اتم موجود پاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

> *'Modern people place historic stones at the corners of their new buildings..........Christians bring evergreen trees in to their homes to celebrate christmas, knowing full well that there is no basic connection between an ever green tree and the birth of Jesus, Muslim march around the sacred black stone and kiss it during their pilgrimage to Mecca, Hindus seek to bathe in the sacred river Ganges, The Parsee bring gifts of sandalwood to be burned in the sacred fire''(5)*
>
> دورِ حاضر کے لوگ اپنی نئی عمارتوں کے کونوں پر تاریخ کے سنگ گاڑھ دیتے ہیں۔۔۔۔ عیسائی کرسمس منانے کے لئے اپنے گھروں کے اندر سدابہار شجر لگاتے ہیں حالانکہ وہ بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ اس سدابہار کے شجر اور یسوعؑ کی پیدائش میں کوئی بنیادی ربط نہیں۔ مسلم حج کے دوران مقدس سیاہ پتھر (حجرِ اسود) کے گرد چکر لگاتے اور اسے چومتے ہیں، ہندو گنگا کے مقدس دریا میں نہانے کے مشتاق ہوتے ہیں اور پارسی صندل کی لکڑی مقدس آگ کی نظر کرتے ہیں۔

اسکاٹ لینڈ کے ماہرِ بشریات سر جیمز فریزر Sir James G. Frazer (۱۸۵۴ء۔۱۹۴۵ء) جادو اور سحر (Mazic) کو مذہب کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ فریزر کے نزدیک جادو اور سحر آج ہمارے درمیان فریب نظر سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ جو لوگوں کو تفریح فراہم کرنے کے لئے ایک بازیگر انجام دیتا ہے لیکن ابتدائی لوگوں کے درمیان اسے نہایت اہمیت حاصل تھی۔ ان کی نظر میں جادو اور سحر خصوصی عملیات پر مشتمل وہ عمل تھا جس سے نہ صرف فطرت کے پرجوش مظاہرے، آندھی و طوفان، بارش و بادو باراں اور زلزلے و سیلاب کو اپنے اختیار میں کیا جاسکتا تھا بلکہ مظاہرِ فطرت میں موجود روحوں کو لبھا کر وافر شکار کی دستیابی اور دشمن پر غلبہ جیسی مطلوبہ مرادیں بھی پوری کی جاسکتی تھیں۔ یہ جادوئی اعمال آگے جا کر دیوی دیوتاؤں کی فوق البشر ہستی یا ہستیوں کی پرستش میں تبدیل ہو کر مذہب کی بنیاد بن گئے۔

دنیا کی کئی قوموں میں جادو وسحر کا استعمال زراعتی امور کے لئے لازمی سمجھا جاتا تھا۔ قدیم زمانے سے خوراک کا حصول انسان کا بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ یورپ اور مغربی ایشیا سے بہت سی چھوٹی چھوٹی حاملہ عورتوں کی مورتیاں دریافت ہوئی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فصلوں کی بہتر پیداوار کی خاطر کی گئی رسومات سے منسلک تھیں۔ تخلیق کا منبع ہونے کے باعث افزائش فصل کو عورتوں کی ذات سے منسلک سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے انسان کا اولین معاشرتی نظام مادرانہ تھا اور معاشرے میں اسے مادرِ ارض کا مقام حاصل تھا۔ دینا کی کئی قدیم قوموں سے مادرِ ارض کی مورتیاں دریافت ہوئیں ہیں۔ جن میں ایران، اٹلی، بلقان، سندھ، شام، عراق، فرانس، فلسطین، کریٹ، مصر اور یونان شامل ہیں۔ ان میں سب سے قدیم فرانس کے کرومیگنن کے غار سے دریافت شدہ پچیس ہزار سال پرانی مورتی ہے جسے وینس آف ویلین ڈروف کا نام دیا گیا ہے۔ علمائے آثار کی متفقہ رائے ہے کہ یہ مادرِارض کی مورت ہے جو افزائشِ نسل وفصل کی ساحرانہ رسوم میں استعمال کی جاتی تھی۔

دنیا میں آج بھی مادرآنہ نظام کی یادگار ملتی ہیں۔ امریکہ کے مقامی اور نیکو قبیلے کے افراد آلو وجوار مکئی بونے کا کام اپنی عورتوں سے لیتے ہیں۔ ان کے خیال عورتیں فصل اگانے کے بارے میں مردوں سے بہتر جانتی ہیں اور افزائشِ نسل کی بدولت ان کے ہاتھوں میں برکت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش کے سرحدی علاقے کی کھاسی قبیلے میں خاندان کی سربراہ اور جائیداد کی وارث عورت ہوتی ہے اور خاندانی نسل اس کے نام سے چلتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مر جاتا ہے تو اس کی ہڈیاں اس کی ماں کے قبیلے کو دی جاتی ہیں۔ یہودی مذہب میں بھی نسل ماں کے نام سے چلتی ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ زیورات پہننے کے پیچھے بھی جادو وسحر کی منطق کارفرما ہے۔ قدیم معاشروں میں ارواح خبیثہ سے خود کو محفوظ رہنے کے لئے جانوروں کے دانتوں، ہڈیوں اور پتھروں کو تراش کے پہنا جاتا تھا۔ ان کا استعمال نہ صرف زندوں کے لئے مفید تھا بلکہ مردوں کے لئے بھی اہمیت کا حامل تھا۔ حجری دور کے غاروں میں مدفون مردوں کے ساتھ ایسی کئی اشیاء دریافت ہوئی ہیں۔

قدیم معاشرے میں جادو وسحر کے عمل کو قبیلے کے تجربہ کار اور بہادر شخص کی سربراہی میں انجام دیا جاتا تھا۔ جسے شامن (Shaman) کہا جاتا تھا۔ جنوبی فرانس میں ٹرائز فریرز (Trois Freres) (نامی غار کی اندرونی دیوار میں انسانی ہاتھوں سے بنی پندرہ ہزار سال پرانی تصویر دریافت ہوئی ہے جس میں شکار کی خاطر کیے جانے والے جادوئی عمل کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس تصویر میں جادوگر یا شامن کو شکار پر حملہ کرنے کے انداز میں جھکا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک نقلی چہرہ لگا ہوا ہے جس کی آنکھیں اور کان اُلو سے مشابہہ ہیں۔ اس کے سر پر بارہ سنگھے کے سینگ ہیں۔ بدن، پیٹ کندھے اور اگلی دو ٹانگیں شیر کی طرح اور پچھلی دونوں ٹانگیں انسان کی طرح ہیں۔

ماہرین آثار کا بھی ماننا ہے کہ اس طرح کے جادوئی طور طریقوں پر مشتمل تمثیلی عمل کی انجام دہی ابتدائی انسان کو اپنے مقاصد میں کامیابی کا کامل یقین دلانے کا سبّب بنتے تھے۔ یہ جادوگر یا شامن قبیلے میں بہ یک وقت طبیب، جادوگر، قصہ گو اور روحانی پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے فرائض میں موسم کی تبدیلیوں کا مطالعہ کرنا اور ان کے اثرات سے آگاہی رکھنا، علاج معالجے کے لئے جڑی بوٹیاں تلاش کرنا، شکار کی ہبتات، آفاتِ سماوی، دشمنوں سے بچاؤ اور روحانی معاملات کے لئے مختلف جادوئی اعمال کی انجام دہی کرنا شامل تھا۔

روحانی معاملات میں یہ شامن فطرت میں موجود روحوں سے رابطہ کرکے لوگوں کے علاج معالجے، مستقبل کی پیشن گوئیاں اور موت سے منسلک رسوم لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ لوگ بھی اس بات کے قائل تھے کہ شامن مخصوص جادوئی عمل کے ذریعے مرنے والے کی روح کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کرتے تھے اور اگر کوئی مُردہ ان رسموں سے محروم رہ جائے تو اس کی روح دنیا کی بھول بھلیوں میں گھر جاتی اور دوسری دنیا تک نہیں پہنچ پاتی۔

سحر یا جادو سے مشابہت رکھنے والے عملیات آج کے جدید معاشرے میں بھی اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ نیکی اور بدی دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ بدی کی خاطر کیے جانے والے عمل کو " سفلی " کہا جاتا ہے جس کے ذریعے دشمن کو تکلیف پہنچا کر اسے زیر کیا جاتا ہے۔ اس عمل کے لئے مٹی کے پتلے یا کپڑے کی گڑیا کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عامل یہ تصّور کرتا ہے کہ جو کچھ پتلے یا گڑیا کے ساتھ کیا جائے گا

وہ براہ راست دشمن پر اثر انداز ہوگا۔ یعنی پتلے یا گڑیا کے کسی عضو کو تکلیف پہنچائی جائے تو دشمن کے بھی اس عضو میں تکلیف پہنچے گی اور اگر دشمن کی ہلاکت مقصود ہو تو پتلے یا گڑیا کو مکمل طور پر برباد کر دیا جاتا ہے۔ جیمز فریزر کے مطابق جنوبی امریکہ کی ریاست پیرو کے مقامی باشندے اپنے دشمن کو ہلاک کرنے کے لئے چربی میں اناج کے دانے ملا کر پتلے بناتے ہیں اور انہیں دشمن کی گزر گاہ پر جلاتے ہیں تا کہ دشمن جلنے کی اذیت محسوس کر کے ہلاک ہو جائے۔(6)

اسی طرح مغربی افریقہ میں ایسی عورتیں جن کے شوہر فوج کے ساتھ دشمن سے لڑنے گئے ہوں وہ اپنے جسم پر سفید رنگ مل کر بہت سارے تعویذ پہن لیتی ہیں اور خربوزے سے مشابہہ ایک پھل کو چھریوں سے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں جیسے وہ دشمنوں کے سر اڑا رہی ہوں۔ اس عمل کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ جیسا سلوک ان پھلوں کے ساتھ کریں گی ویسا ہی سلوک ان کے شوہر اپنے دشمنوں کے ساتھ کریں گے۔(7)

بھلائی کی خاطر کیے گئے جادوئی عمل کو ٹونے اور ٹوٹکے کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں اسے "ووڈو" (Voodoo) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

دنیا میں ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ دونوں طرح کے معاشرے میں ان ٹونے ٹوٹکوں پر یقین رکھا جاتا ہے جس کا مظاہرہ ان کے معمولاتِ زندگی میں باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ جیمز فریزر اس سلسلے میں برطانوی کولمبیا کے مقامی انڈینوں کی مثال پیش کرتے ہیں جو اپنی گزر بسر کا انحصار دریا اور سمندر سے حاصل ہونے والی مچھلی پر رکھتے ہیں۔ اگر کبھی ان کے دریاؤں میں مچھلی کی قلّت ہونے لگتی ہے تو شامن یا پروہت ایک تیرتی ہوئی مچھلی کی مورت بنا کر اسے پانی میں اس سمت میں ڈال دیتے ہیں جہاں سے عموماً زیادہ مچھلیاں تیرتی ہوئی آتی ہیں۔ اس عمل کے بعد انہیں دریا میں مچھلی کی فراوانی کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔(8)

جاپان میں بھی خشک سالی کے دنوں میں مشکیزوں یا کسی برتن میں پانی بھر بھر کر اوپر سے پھینکا جاتا تھا جس کا مقصد یہ ہوتا کہ فطرت ان کی تقلید میں پانی بہتا دیکھ کر آسمان سے پانی (بارش) برسائے گی۔ چین میں لمبی عمر پانے کے لئے اپنی زندگی میں اپنا کفن سلوا لینے کا رواج پایا جاتا ہے۔ جسے کسی ایسی کنواری اور نوجوان لڑکی سے سلوانے کو فوقیت دی جاتی جس کے کئی سال تک زندہ رہنے کے امکانات ہوتے۔ چینی عقیدے کے مطابق یہ عمل ان کی زندگی میں بھی کئی سال کے اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔ برّ صغیر پاک و ہند میں کالی بلی کو آسیب یا نحوست سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ رستے میں اگر سامنے سے کالی بلی گزر جائے تو کسی کام کے بگڑنے کا خدشہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح مغربی دنیا میں کوہی کو منحوسیت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

سحر و جادو کی ایک اور قسم فیٹش پرستی (Fetishism) ہے جو ابتدائی مذاہب میں پائی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی خاص قوّت مانی جاتی ہے جس سے فطرت کو قابو کر کے بارش برسوائی جا سکتی ہے، اناج کی افزائش اور شکار کی بہتات کرائی جا سکتی ہے۔ اس قوت کی حامل کوئی بھی شئے ہو سکتی ہے مثلاً کسی درخت کی شاخ، چھوٹے بڑے پتھر، انسانی و حیوانی ہڈی اور پرندوں کے پر وغیرہ۔

جرمن فلسفی اور ماہرِ بشریات لدوگ فیوربخ (Ludwig Feurbach، ۱۸۰۴ء۔ ۱۸۷۲ء) مذہب کو انسان کی اپنی خواہشات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس نظریئے کی تائید نظریہ اشتراکیت کے داعی پروفیسر کارل مارکس (Karl Marx، ۱۸۱۸ء۔ ۱۸۸۳ء) بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> *'Man makes religion, religion does not make man . Religion is the self-consciousness and self-esteem of man who has either not yet found himself or has already lost himself again... Religion is the sigh of the oppressed creature, the heart of a heartless world, just as it is the spirit of spiritless conditions. [t is the opium of the people (9).*

"انسان مذہب کو بناتا ہے مذہب انسان کو نہیں۔مذہب ایک ایسے انسان کی خود آگاہی اور خود اعتمادی ہے جس نے یا تو ابھی تک خود کو پایا نہیں ہے یا پھر خود کو دوبارہ کھو دیا ہے۔مذہب مظلوموں کی آہ ہے۔ایک بے رحم دنیامیں رحم دلی ہے اور غیر روحانی حالات کی روحانیت ہے۔یہ لوگوں کے لئے ایک نشہ ہے۔"

سگمنڈ فرائیڈ بھی ان دونوں کی حمایت کرتے ہیں اور مذہب، اخلاق اور معاشرے کی جڑوں کو انسان کے احساسِ جرم میں پنہاں قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال وہ یوں دیتے ہیں کہ معاشرے کی ابتدائی ترین شکل بیٹوں کی صورت میں اس جتھے یا غول کی تھی، جس کا سربراہ یا نگران ان کا باپ تھا۔ جتھے میں اس کی حیثیت طاقتور اور سخت گیر آمر حکمران کی سی تھی۔ اس نے بیٹوں پر کچھ پابندیاں عائد کر رکھی تھیں جس کے نتیجے میں بیٹے باپ سے متنفّر اور خائف تھے۔ اسی نفرت اور خوف کے نتیجے میں ایک دن تمام بیٹوں نے مل کر اپنے آمر باپ کو قتل کر دیا لیکن جب وراثت کا مسئلہ سامنے آیا تو کوئی بھی بیٹا طاقت اور عظمت میں باپ کے برابر نہیں تھا جو اس کی جگہ لے سکتا۔ تب بیٹے اپنے عمل پر شرمندہ ہوئے اور اس احساسِ ندامت کو مٹانے کے لئے انہوں نے باپ کو لافانی دیوتا یا خدا تسلیم کرلیا اور وراثت سے دستبردار ہو کر الگ الگ قبیلوں کی بنیاد رکھی جو ٹوٹم پرستی Totemism کے اصولوں پر قائم کیا گیا۔یہی ٹوٹم پرستی انسان کے مذہب کی ابتدا کا سبّب بنی۔ ٹوٹم کی تعریف یوں کی جاتی ہے :

"A totem is an animal,reptile,insect,or plant that is emblematic ofhe community and is treated as sacred.The relationship between totems and hummans reveals a special circle of kinship and connection between hummans and the rest of nature(10)".

ٹوٹم سے مراد کسی شیئے کو مقدّس اور قابلِ تعظیم سمجھناکے ہیں۔اس میں چرند پرند، کیڑے مکوڑے اور پیڑ پودے، وغیرہ سب شامل ہو سکتے ہیں۔ جسے کسی قبیلے میں مقدّس اور لائقِ پرستش سمجھنے کے علاوہ قبیلے کے جدامجد کی حیثیت بھی حاصل تھی۔

تاہم سگمنڈ فرائیڈ کے مطابق ابتدائی قبیلوں میں ٹوٹم عموماً کوئی جانور ہی ہوتا تھا جو دراصل مقتول باپ کے نعم البدل کے طور پر موجود تھا۔جس کی صفات میں شامل تھا کہ وہ انہیں مستقبل سے متعلق معلومات بہم پہنچاتا، خطرات سے آگاہ کرتا اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتا تھا۔جس طرح ایک باپ اپنے بچوں کی حفاظت کرتا اور ان پر مہربان ہوتا ہے۔ایک قبیلے کا ٹوٹم دوسرے قبیلے کے لئے خطرناک سمجھا جاتا تھا مگر اپنے قبیلے کے لئے وہ بے ضرر سمجھا جاتا تھا اور اگر ٹوٹم کا حامل جانور اپنے قبیلے کے کسی شخص کو نقصان پہنچاتا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ مذکورہ شخص کی کسی بے ادبی کے باعث ٹوٹم اس سے ناراض ہے۔ قبیلے والوں پر بھی فرض تھا کہ وہ اپنے ٹوٹم کی جان کی حفاظت کریں اور احتراماً اس کا گوشت کھانے سے پرہیز کریں۔ایک ٹوٹم سے تعلق رکھنے والے افراد کا بھی آپس میں گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہوتا جس کے تحت کچھ سماجی پابندیاں بھی عائد تھیں جس کی پاسداری سب پر لازم سمجھی جاتی تھی۔دورِ حاضر کے کئی محقّقین بیشتر مذہبی پابندیوں کو ٹوٹم پرستی کی ہی باقیات قرار دیتے ہیں۔

حیوان پرستی یا جانوروں کی پرستش بھی مذہب کی ابتدا کا ایک محرک سجھا جاتا ہے۔ ابتدائی قبیلوں میں بعض جانور محترم اور مقدّس تصور کیے جاتے تھے اور لائقِ پرستش سمجھے جاتے تھے۔ مغربی یورپ کے مدفن غاروں سے انسانی ڈھانچوں کے ساتھ ریچھ اور دوسرے جانوروں کے مجسّمے ملے ہیں۔ زراعت کی ابتدا بھی جانوروں کی اہمیت کا سبّب بنی۔ خصوصاً بیل کے تصّور کو زمین کی زرخیزی اور فصلوں کی پیداوار سے منسلک کیا گیا۔ قدیم یونان کے جزیرہ کریٹ میں ڈایونیسس دیوتا کے تہوار کے موقع پر احتراماً زندہ بیل کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھایا جاتا تھا۔ان کے عقیدے کے مطابق دیوتا کو اس کے دشمنوں نے اس وقت قتل کیا تھا جب وہ بیل کے روپ میں تھا۔ قدیم مصر میں انسان اور حیوان کے مرکب دیوتاؤں کا بھی تصور تھا جبکہ ہندوستان میں یہ تصّور آج بھی موجود ہے کہ ہندوؤں کے دیوتا گنیش ہاتھی کا سر اور انسان کا جسم رکھتے ہیں۔

برطانیہ کے ماہرِ سماجیات ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spenser،۱۸۲۰ء۔۱۹۰۳ء) انسان کے اپنے آباؤ اجداد اور ان سے منسلک اساطیری قصّے کہانیوں (Mythology) کو مذہب کی ابتدا قرار دآباؤ اجداد اور ان سے منسلک اساطیری قصّے کہانیوں (Mythology) کو مذہب کی ابتدا قرار دیتے ہیں۔ اسپنسر کا ماننا ہے کہ ابتدائی انسان اس ذہنی شعور سے بہرہ مند نہیں تھا جس کے تحت وہ کسی خدا یا دیوی دیوتاؤں کو

ظاہری صورت دے کر ان کی پرستش کر سکتا۔ اس کے سامنے صرف اپنے اجداد کی بہادری کے کارنامے تھے جنھیں وہ سنتا رہتا تھا اور ان پر فخر و مباہات کرتا تھا۔
وقت کے ساتھ ساتھ وہ ان اجداد کی شخصیتوں کو بھول گیا مگر اُن سے منسوب قصّوں اور کہانیوں کو دیوی دیوتاؤں سے منسلک کرکے انہیں قابلِ پرستش سمجھنے لگا۔ اگر کسی کے آباؤاجداد کے کارنامے اس کے قبیلے تک محدود رہے تو وہ قبیلے کا دیوتا کہلایا اور اگر اس کے کارنامے پوری قوم میں شہرت پاگئے تو اسے قومی دیوتا کا درجہ مل گیا۔ دنیا کی تمام قدیم قوموں میں ایسی ہستیاں ملتی ہیں جن سے مافوق الفطرت کارنامے منسلک کرکے انہیں دیوی دیوتاؤں کا درجہ دیا گیا۔ یونان میں جہاں دیوی دیوتاؤں کے حوالے سے یہ تصّور ملتا تھا کہ سارے دیوی دیوتا، بشمول زیوس و اپولو جیسے بڑے دیوتا، ابتدا میں ان کے اجداد تھے جو مرنے کے بعد اپنی نیکی کی بدولت دیوی دیوتا بن کر کوہِ اولمپس پر رہنے لگے۔ اسی طرح وادی سندھ میں بسنے والے آریاؤں کا سب سے بڑا دیوتا اندر بھی قبیلے کا ایک بہادر سورما تھا جو بعد میں جنگ کا دیوتا کہلایا۔ علاوہ ازیں ہندوٗ مذہب کے دیوتا رام چندر اور کرشن بھگوان بھی وادی گنگا جمنا کے سورما تھے، جنھیں دیوتا مان لیا گیا۔
مذہبیات کے ماہرین کا بھی ماننا ہے کہ انسان فطرتاً قصّے کہانیوں سے متاثر ہوتا ہے۔ وہ ان کے ذریعے اُن چیزوں کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتا ہے جو عقل سے بعید دکھائی دیتی ہیں۔ ان قصّے کہانیوں میں ہمیشہ ایک ایسے تصوراتی کردار کو بھی بیان کیا جاتا ہے جو بہادر، نڈر اور نیک فطرت ہوتا ہے۔ عام زبان میں اسے ہیرو کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان اس کردار (ہیرو) میں تمام مثبت خصوصیات دیکھنا چاہتا ہے اور ان ہی خصوصیات کی بناء پر وہ اُسے لائقِ تعظیم جانتا ہے۔ ہم تاریخ کے حوالے سے دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام قدیم قوموں میں ایسے تصوراتی افراد نمایاں رہے جنھیں عظمت کی بلندیوں پر بٹھا کر ماورائی درجہ دیا گیا۔ نہ صرف قدیم قوموں کا یہ مزاج رہا ہے بلکہ آج بھی انسان ہیروازم کے اثرات سے بچا ہوا نہیں ہے۔
اجداد پرستی کا ایک رخ مردہ پرستی کے تصور میں بھی ملتا ہے۔
کہا جاتا ہے کہ انسانی معاشرے میں جب تک تدفین کا رواج قائم نہیں ہوا تھا اور لوگ اپنے مُردوں کو خود سے دور نہیں کرتے تھے تو ان سے کسی قسم کا کوئی ڈر اور خوف بھی محسوس نہیں کیا جاتا تھا لیکن جب مُردہ انسانی جسم گلنے سڑنے لگے تو ان کو ٹھکانے لگانے کی بابت سوچا جانے لگا۔ مُردوں کو کھلی جگہ چھوڑ دینے میں جنگلی جانوروں سے انہیں نقصان پہنچنے کا خطرہ درپیش تھا لہٰذا انہیں غاروں میں پتھروں سے ڈھک کر رکھا جانے لگا جو آگے جاکر تدفین کے طریقے میں بدل گیا۔ ۱۹۵۷ء میں کوہِ زگروس (کردستان عراق) میں موجود شانیدر (Shanidar) کے غاروں سے ۴۵ سے ۶۵ ہزار سال پرانے نینڈر تھلز نسل کے نو انسانی ڈھانچے دریافت ہوئے ہیں جنھیں ان غاروں میں سازوسامان کے ساتھ باقاعدہ دفن کیا گیا تھا۔
ماہرِ بشریات ایڈورڈ ٹیلر کا ماننا ہے کہ تدفین کی بدولت مُردوں سے دوری نے زندہ انسانوں میں ان سے خوف کی بنیاد ڈالی اور مُردوں کا ناراض ہو کر چلے جانے اور بھوت پریت کی شکل میں واپس آکر قریبی عزیزوں کو ساتھ لے جانے کے تصّورات باآسانی قائم ہوگئے۔ ان مشکلات سے بچنے کے لیے ذہنِ انسانی میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر مُردوں کی خوشنودی اور پسند کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو وہ بدلے میں انہیں فائدہ پہنچانے کا سبّب بنیں گے، جبکہ ان کی ناراضگی تباہی اور بربادی کا باعث بن جائے گی۔ لہٰذا مُردوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے من پسند غذا اور قیمتی تحفے تحائف نذر کیے جانے لگے اور مناجات و بھجن گا کر ان کی منت سماجت کی جانے لگی۔ یوں یہ عمل مذہب کی ابتدا کا باعث بن گیا۔
حجری دور کے غاروں میں مدفون نینڈرتھال نسل کے مُردوں کے ساتھ کیے جانے والے خصوصی سلوک کے شواہد ملتے ہیں۔ ان غاروں میں مُردوں کے سر کے نیچے چونے کے پتھر سے بنے تکیے پائے گئے ہیں۔ جنھیں انسانی ہاتھوں نے خاصی جانفشانی کے ساتھ رگڑ رگڑ کر ملائم

بنایا تھا۔ اطراف میں پھولوں کے زیرہ کی موجودگی بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ محبت کے اظہار کے طور پر صاحب قبر پر پھول بھی نچھاور کیے گئے تھے۔ بعض قبروں میں آگ کی موجودگی کے آثار بھی ملے ہیں۔ اٹلی کے گری ملدی کے غار میں مدفون ڈھانچوں کی ہڈیوں پر لال رنگ کا خاص سفوف ملا ہے۔ غالباً وہ لوگ مردوں کی دوبارہ زندگی کو یقینی سمجھتے تھے اس لئے لال رنگ خون کی نمائندگی اور زندگی کی علامت کے طور پر چھڑکتے تھے۔ چین میں آج بھی مُردہ پرستی کی سب سے زیادہ مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں مردہ عزیزوں کی قبر کی ہر سال پابندی سے درستگی کی جاتی اور نذرانے کے طور پر کھانے پینے کے علاوہ قیمتی لباس اور سرد موسم میں کمبلوں کے تحفے تک قبر پر چڑھائے جاتے تھے۔

مُردوں سے متعلق یہ عقیدہ بھی پایا جاتا تھا کہ بہادر مُردوں خصوصاً آباؤاجداد کی ہڈیوں کا ہار پہننا نہ صرف بد روحوں اور بلاؤں سے بچنے کا باعث ہوتا ہے بلکہ حالتِ جنگ میں انہیں ساتھ رکھنا دشمن پر فتح و کامرانی کی ضمانت بھی بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قدیم آسٹریلیائی باشندوں میں بہادر مُردوں کی کھوپڑی میں پانی یا مشروب اس عقیدے کے ساتھ پینے کا تصّور موجود تھا کہ اس کی طاقت پینے والے کے جسم میں حلول کر جائے گی۔ اسی طرح اپنے مردہ عزیزوں کا گوشت کھانے کو بھی خاندانی اتحاد کو تقویت بخشنے کا باعث اور ماضی کو حال سے منسلک کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ وینڈبلٹ یونیورسٹی کی ڈاکٹر بیتھ کانکلن نے جنوبی امریکہ کی ریاست گیانا کے واری قبیلے کے لوگوں کے بارے میں تحقیق کی کہ پچاس سال پہلے تک یہاں کے لوگوں میں اپنے مردہ رشتے داروں کا گوشت اس عقیدے کے ساتھ کھانے کا رواج تھا کہ مرنے والے عزیز کا گوشت کھا لینے سے اس کی روح خاندان کے کسی فرد میں سرایت کر جاتی ہے۔

ابتدائے مذہب سے متعلّق دنیا میں موجود بیشمار نظریات میں ایک نظریہ خدائے واحد کی موجودگی کا بھی پایا جاتا ہے۔ جو دعویٰ کرتا ہے کہ مناظرِ فطرت اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش سے قبل، انسان اوّل دن سے وحدانیت کے تصّور سے آشنا تھا اور ایک خدا کی عبادت کرتا تھا۔ اس نظریئے کے مطابق کائنات میں موجود ہر شئے کا خالق خدا ہے۔ جو نہ جسم رکھتا ہے اور نہ جسمانی حاجات اسے درپیش ہوتی ہیں۔ اس نے اوّل دن سے انسان کو اس صورت میں خلق کیا جس میں وہ آج بھی موجود ہے اور اس صورت کے ساتھ ساتھ اسے مذہب کی فکر بھی عطا کی۔ جس کے تحت دنیا میں بھیجے جانے والے پہلے انسان آدم کو بشریت کے ساتھ ساتھ نبوت کے منصب پر بھی فائز کیا تاکہ وہ خدا کا پیغام انسانوں تک پہنچا سکیں۔ نبوت کا یہ سلسلہ آدمؑ کے بعد بھی جاری رہا اور جب بھی انسانوں نے خدا کی راہ چھوڑ کر شرک یعنی غیر خدا کی پرستش کی راہ اختیار کی، انبیاء وحدانیت کی تبلیغ کے لئے آتے رہے۔ گویا انسان کو اوّل دن سے خدا کی معرفت اور اس کی محبت کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

موجودہ دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام توحید یعنی خدائے واحد پر یقین رکھنے والے مذاہب شمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم ان تینوں مذاہب میں موجود خدا کے تصور کو پیش کریں یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ ان تینوں مذاہب سے قبل بھی خدائے واحد کی عبادت کا تصور تاریخ انسانی میں ملتا ہے۔

پانچ ہزار قبل مسیح ایران کے صوبے آذربائیجان میں پیدا ہونے والے جناب زرتشت نے مناظرِ فطرت پر مشتمل بے شمار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرنے والی قوم کو ایک معبودِ حقیقی کی طرف راغب کیا۔ جسے وہ "اہوار مزدا" یعنی عقل کل کہہ کر پکارتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تیس سال کی عمر میں موسمِ بہار کے تہوار کے موقع پر جناب زرتشت دریا پر پانی لانے کی غرض سے گئے۔ وہاں ان کی ملاقات ایک چمکتی ہوئی نورانی پیکر ووہو مناہ (نیک مقصد) سے ہوئی۔ جنابِ زرتشت کو ان کے نیک ارادوں کا یقین دلانے کے بعد وہ انہیں عظیم ترین اہورامزدا کے پاس لے گئی۔ اپنی بقیہ زندگی میں جنابِ زرتشت ووہو مناہ سے ملتے رہے۔ کبھی وہ اسے براہِ راست دیکھتے تو کبھی اس کے الفاظ سنتے اور کبھی صرف اس کی موجودگی کا احساس کرتے تھے۔

جنابِ زرتشت کے نزدیک اہورامزدا ایک لافانی اور غیرِ تخلیق خدا تھا۔ جو ہر چیز کا خالق تھا۔ جنابِ زرتشت کے بارے میں تاریخ کو زیادہ معلومات حاصل نہیں البتہ زرتشتی عقیدے کے مطابق پیغمبر زرتشت کی اپنے خدا کی شان میں کہی گئی سترہ حمد و مناجات پر مشتمل مجموعہ "گاتھا" آج بھی موجود ہے جس میں وہ اہورامزدا کی صفات یوں بیان کرتے ہیں:

‘O Ahura Mazda,The Lord of life and wisdom, ruling over the world through his wisdom and knowledge.
O Mazda! Teach me the best words and noblest deeds, so that through this teaching i may worship thee with a clear mind and a pure heart through your power
O Ahura, Tell me! Who is the creater of light and darkness? Who has created the dawn, the day and the night, teaching the wise man to fulfill his daily duties properly? O Mazda recognises thee as Lord Supreme (11)

اے اہورامزدا! زندگی و حکمت کے رب، جو اپنے علم و حکمت کے ذریعے جہاں پر حکومت کرتا ہے۔ اے مزدا! مجھے سکھا، بہترین الفاظ اور پاکیزہ خواہشات کہ جس کے ذریعے میں عقل اور قلبِ سلیم سے تیری عبادت کروں۔ اے اہورا! مجھے بتاؤ کہ کون ہے جس نے روشنی اور اندھیرے کو پیدا کیا؟ کس نے صبح صادق کو جلا بخشی اور دن ورات بنائے؟ کس نے دانا و نیکوکار کو اپنے فرائض کی انجام دہی کرنی کی توفیق بخشی۔ اے مزدا! تم نے، جو رب عظیم ہے۔

۱۳۸۰، قبل مسیح مصرِ قدیم کے فرمانروا امینوفس چہارم المعروف اخناطون (Akhnaton) کے ساتھ بھی خدائے واحد کی عبادت کا تصور منسوب ہے جس نے مصر میں بت پرستی کی پرانی روایات کے خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک خالق کی عبادت رائج کی جسے وہ ”عاطون“ یعنی زندگی دینے والے کے نام سے پکارتا تھا۔

انیسویں صدی سے قبل اخناطون اور اس کے مذہب کے متعلق دنیا کو کچھ خاص معلومات حاصل نہیں تھیں۔ ۱۸۴۰ء میں ایک برطانوی ماہر مصریات جان ولکنسن Sir John G. Wilkinson (۱۷۹۷ء۔ ۱۸۷۵ء) نے تل الامارنہ کے مقام سے اخناطون کا مقبرہ دریافت کیا جہاں کچھ ایسی رنگین تصاویر موجود تھیں جن میں سورج کو کرنوں کے ساتھ روشنی بکھیرتے دیکھایا گیا تھا۔ اس مقبرے میں خاص بات یہ تھی کہ وہاں مصریوں کے بے شمار دیوی دیوتاؤں میں سے کسی ایک کا بھی بت یا کوئی نام و نشان موجود نہیں تھا۔ جرمنی کے ماہرِ آثار رچرڈ ڈلیپسیوسRichard Lepsius (۱۸۱۰ء۔ ۱۸۸۴ء) نے ان پر تحقیق کا کام شروع کیا تو پتہ چلا کہ اخناطون، جس خدا کی عبادت کرتا تھا وہ اسے عاطون یعنی خالق اور زندگی دینے والا گردانتا تھا۔ اس خدا کی کوئی شبیہہ یا بت نہیں بنایا جاتا تھا اور سورج کو اس کا مظہر مانا جاتا تھا جس کی نعمتیں ہر ایک پر بلاامتیاز نازل ہوتی ہیں۔

تل الامارنہ سے حاصل ہونے والی تختیوں کے مطابق اخناطون کے مذہبی عقائد میں بت پرستی کی شدید ممانعت، اعمال کی انجام دہی درست طریقے سے کی جانے کی تلقین اور پروہتوں کی جانب سے دیئے گئے احکامات خصوصاً، حیات بعدالموت کے قدیم مصری تصور کی نفی اور اسے لغویات قرار دینا شامل تھا۔

اخناطون نے اپنے سات سالہ مختصر دورِ حکومت میں اپنے خدائے واحد عاطون کے تصور کو ملک کے دور دراز علاقوں تک پھیلانے کی سعی کی، لیکن اس کی موت کے بعد مصر کے پروہتوں نے اس کو قومی مجرم قرار دے کر اس کے مذہب کو ختم کر دیا اور اس سے اور اس کے خدا سے متعلق ہر نشان کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی تاہم دریائے نیل کے زیریں کنارے کے ساتھ اخناطون کے اپنے خدا کے نام پر تعمیر کرائے گئے نئے دارالحکومت اخی تین (عاطون کا اُفق) جسے اب تل الامرنا کے نام سے جانا جاتا ہے، کی چٹانوں میں خدائے واحد کی شان میں درج اس کی حمد ملی ہے۔ ذیل میں اس حمد کا انگریزی ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جو امریکی ماہرِ مصریات جیمز ہنری بریسٹڈ James Henry Breasted (۱۸۶۵ء۔ ۱۹۳۵ء) کی کاوش ہے

How many are your deeds ,
Though hidden from sight،
O sole God without equal
You made the Earth, as you desired, you alone,
With people, cattle and all creatures,
With everything upon Earth that walk on legs,

And all that is on high and flies with its wings (12)".

کتنی تمہاری نیکیاں ہیں جو کہ نظروں سے پوشیدہ ہیں اے خدائے یکتا! جس کا کوئی ثانی نہیں۔
تم نے ہی تمہا زمین بنائی، جیسا تم نے چاہا۔
انسان بنائے، چوپائے اور ساری مخلوقات، اور وہ سب جو اس زمین پر پیروں پر چلتے ہیں،
اور وہ سب بھی جو فضاؤں میں اپنے پروں کے ساتھ اڑتے ہیں۔

علمی و مذہبی حلقوں میں اخناطون کے مذہب کے متعلق بہت سے قیاسات پیش کیے جاتے ہیں۔ جرمنی کے ماہرِ نفسیات سگمنڈ فرائڈ، جو خود یہودی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، اس بات کے دعویدار تھے کہ حضرت موسیٰؑ نے مصر میں جس مذہب کو متعارف کرایا، وہ کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ اخناطون کا ہی مذہب تھا جسے اس کے مرنے کے بعد مصریوں نے ترک کر دیا تھا۔ فرائیڈ اپنی معروف کتاب Moses And Monotheism میں لکھتے ہیں:

'If Moses was an Egyptian and if he transmitted to the jews his own religion then it was that of Ikhnaton, the Aton religion (13) ".

اگر موسیٰ مصری تھے اور وہ بنی اسرائیل کو ان کے مذہب پر واپس لانا چاہتے تھے تو وہ اخناطون کا دینِ عاطون تھا۔

سگمنڈ فرائیڈ کے مطابق حضرت موسیٰؑ کا تعلّق مصر سے تھا جو ان کے نام موسس (Moses) سے ظاہر ہوتا ہے۔ مصری زبان میں اس کے معنی " پیدا ہوا " کے ہیں۔ مصر میں اس جیسے بہت سے نام ملتے ہیں جیسے توتھ موس، حاموس اور عامون موس وغیرہ۔ لہٰذا اگر موسیٰؑ مصری تھے تو جو مذہب انہوں نے قومِ یہود کو عطا کیا وہ بھی مصری تھا تو لازماً وہ اخناطون کا ''دینِ عاطون '' تھا۔ عامون کے پروہتوں نے عاطون کے مذہب کا نام و نشان مٹا کر مشکل پیدا کر دی ہے، جبکہ یہودیت کو ہم آج اس کی آخری اور قطعی شکل میں جانتے ہیں جسے موجودہ صورت خروج کے آٹھ سو برس بعد عطا کی گئی۔ ان تمام مشکلات کے باوجود ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جس سے یہ ثابت کرنا دشوار نہ ہوگا کہ موسیٰؑ کا دین عاطون کا دین تھا۔ (14)

اسرائیلی علماء کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اخناطون اور موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ ان کے درمیان پائے جانے والی قدرِ مشترک کی بناپر کرتے ہیں کہ ان دونوں نے ہی بت پرستی سے بغاوت کی اور خدائے واحد کے دین کو پیش کیا۔ اس دعویٰ کو سند دینے کے لئے یہ بھی مدِ نظر رکھا جاتا ہے کہ اخناطون کی ماں ملکہ توئی کا تعلّق بھی عبرانی نسل سے تھا جس سے موسیٰؑ بھی تعلق رکھتے تھے۔

دورِ حاضر کے برطانوی پروفیسر اور سائنسدان رابرٹ ونسٹن Robert winston (۱۹۴۰ء) اخناطون کے مذہب کو توحید پرست مذاہب کی صف میں نہیں رکھتے بلکہ وہ اس کے لئے Cathenotheism کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں یعنی ایسے خدا پر یقین رکھنے والا مذہب جو دوسرے خداؤں کے مقابلے میں بہتر اور برتر ہے۔ (15)

اگر ہم حقائق پر غور کریں تو یہ قیاس ہمیں خاصہ قویٰ معلوم ہوگا کہ اخناطون کا خدائے واحد (عاطون) دراصل وہی خدائے واحد ہے کہ جس کی تبلیغ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں کے درمیان کی تھی کیونکہ عہد نامہ قدیم (بائبل) اور قرآن مجید کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے مصر میں وحدانیت کا آغاز حضرت یعقوب علیہ السلام نبی کے بیٹے اور پیغمبرِ خدا حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے کیا گیا تھا۔ جو امینوفس چہارم المعروف اخناطون کے دورِ حکومت میں عزیزِ مصر کے عہدے پر بھی فائز تھے۔ اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں یہ واضح نظر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں جس خدائے واحد کا تصّور پیش کیا تھا اس سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام مصریوں میں اس کی تبلیغ سرانجام دے چکے تھے اور ان کے پیروکاروں میں اخناطون اور اس کی ملکہ نفرتی بھی شامل تھے۔ گویا اخناطون کا خدائے واحد کا تصور دراصل پیغمبرِ خدا حضرت یوسف علیہ السلام کا دیا ہوا تصور تھا۔ جسے بادشاہِ وقت اخناطون کے حوالے سے یاد رکھا گیا۔

یہودیت، عیسائیت اور اسلام توحید کے حامی مذاہب مانے جاتے ہیں جو اس مشترک عقیدے کے ساتھ ساتھ اپنا سلسلہ بھی ایک ہی نبی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جوڑتے ہیں۔ یہودیت ان تینوں میں سب سے قدیم ہے۔ جس کی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے جنھوں نے اٹھارہ سو قبلِ مسیح میں قدیم عراق کے شہر اُر میں بیشمار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے مقابلے میں ایک خدا کی عبادت کا تصّور پیش کیا۔ خدائے واحد پر ایمان کے سلسلے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء نے بھی قائم رکھا جن میں حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ شامل ہیں، لیکن یہودی تاریخ میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اہم مقام حاصل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی نسبت سے یہودی قوم بنی اسرائیل کہلائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، جنھوں نے بنی اسرائیل کو طویل مدّت کی غلامی کے بعد فرعونِ مصر کی قید سے رہائی دلوا کر خدا کے وعدے کے مطابق ان کے وطن، ارضِ موعودہ کی راہ دکھائی اور انہیں توریت کی شکل میں احکامِ الٰہی عطا کئے۔

یہودی خدا کو یہواہ(*Yhwh*) کہہ کر پکارتے ہیں۔ جس کی بابت ان کا ماننا ہے کہ خداوند نے اپنے نام کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ اس لئے اس کا نام لینا جائز نہیں ہے اور اسے اس کے الوہی نام (یہواہ) سے ہی پکارا جانا چاہیے۔ عہد نامہ قدیم، بابِ خروج میں خدا کی جانب سے بنی اسرائیل کے لئے دیئے گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس احکامات میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ :

"خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔" (16)

تاہم توریت میں خدا کے لئے یہواہ کے علاوہ الوہم(*Elohim*) اور الشّدائی(*EL-Shyddai*) کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ تاریخ دانوں اور علمائے یہود کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خدا کو کبھی "الوہم" اور کبھی "الشدائی" کہہ کر پکارتے تھے۔ جن کے معنیٰ "آقا اور قادرِ مطلق" کے ہیں۔

یہودی عقائد کے مطابق خدا پوری کائنات کا واحد خالق و مالک ہے جو جسم وجسمانیت سے مبرّا اور نہ دکھائی دینے والا ہے۔ اس کو دیکھنا انسانی آنکھ کے بس میں نہیں مگر اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ یہودیوں کی مقدّس کتاب توریت کی کتابِ یسعیاہ میں خدا کا فرمان ہے کہ ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ

"میں ہی اوّل اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔" (17)

یہودیت میں بت پرستی کی شدید مخالفت کی جاتی ہے اور شرک کو گناہِ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ کتابِ خروج (عہد نامہ قدیم) میں خدا کا فرمان ہے کہ

"میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبّت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔" (18)

یہودی خدائے واحد پر یقین کے عقیدے کی پختگی کے لئے روزانہ صبح شام کی جانے والی عبادت میں مندرجہ ذیل آیت کو دہراتے ہیں جسے شیما(*Schema*) کہا جاتا ہے کہ

"سنو ! اے اسرائیل ہمارا آقا ہمارا خدا ہے جو واحد ہے۔"

عہد نامہ قدیم کے مطابق خدا نے چھ دن میں کائنات وانسان کی خلقت مکمل کی اور ساتویں دن آرام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں میں ہفتے کے چھ دن کام کاج میں مصروف رہنے کے بعد ساتویں دن آرام کیا جاتا تھا۔ عہد نامہ قدیم ہمیں بتاتا ہے کہ :

"سوآسمان اور زمین اور ان کے کل لشکر کا بنانا ختم ہوا۔اور خدا نے اپنے کام کو جسے وہ کرتا تھا ساتویں دن ختم کیا اور اپنے سارے کام سے جسے وہ کر رہا تھا ساتویں دن فارغ ہوا۔اور خدا نے ساتویں دن کو برکت دی اور اسے مقدّس ٹھہرایا کیونکہ اس میں خدا ساری کائنات سے جسے اس نے پیدا کیا اور بنایا فارغ ہوا۔" (19)

عیسائی مذہب ابتدا میں ایک یہودی فرقے کے طور پر ظاہر ہوا تھا۔ سنہ ۸۰ ء میں حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو یہودی عبادت خانے سے نکال دیئے جانے کے بعد اس نے ایک الگ مذہب کی شکل اختیار کرلی اور آج دنیا میں سب سے زیادہ پیروکار اسی مذہب کے پائے جاتے ہیں۔ عیسائیوں میں خلقتِ کائنات و بشر سے متعلق وہی عقائد پائے جاتے ہیں جو یہودیوں میں رائج ہیں البتہ عیسائی خدا کی الوہیت میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کو بھی شامل کرتے ہیں اور نظریہ تثلیث و تجسیم کے قائل ہیں۔

تثلیث باپ، بیٹا اور روح القدس سے مرکب ہے۔ جس کے مطابق خدا ایک ہی وقت میں ذاتِ واحد کی صفت بھی رکھتا ہے اور تین (باپ، بیٹا اور روح القدس) میں بھی منقسم ہے۔ باپ سے مراد خدا کی ذات ہے جبکہ خدا کی صفت کلام کو بیٹے کا درجہ حاصل ہے جو یسوع مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا اور روح القدس سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ محبت ہے جس کی بدولت باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔ تجسیم سے مراد، خدا کی صفت کلام (بیٹا) انسانوں کی فلاح کی خاطر یسوع مسیح کے انسانی پیکر میں حلول کر گئی اور یسوع مسیح کے سولی پر چڑھ جانے کے وقت تک موجود رہی۔ انجیل یوحنّا میں اسے یوں بیان کیا گیا کہ:

"ابتدا میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ وہ دنیا میں تھا اور دنیا اس کے وسیلے سے پیدا ہوئی اور دنیا نے اسے نہ پہچانا۔ وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے۔ اور کلام مجسّم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ کیونکہ اس کی معموری میں ہم سب نے پایا یعنی فضل پر فضل۔ اس لئے کہ شریعت تو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی۔ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا۔" (20)

توحید کے داعی مذاہب میں اسلام سب سے کم عمر مذہب مانا جاتا ہے۔ جس کی ابتدا ساتویں صدی عیسویں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں عرب میں پیدا ہونے والے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں ہوئی جبکہ اسلام کے مطابق یہ کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ خدا، جسے اسلام میں اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے، کی جانب سے بھیجے جانے والے ادیان کے سلسلے کا آخری پیغام ہے جو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے پہنچایا گیا۔ ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی اور شریعت۔ یہی دین قیامت تک قائم رہے گا۔ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی آخری آسمانی کتاب قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ جس کی تبلیغ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء نے کی۔ قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے کہ

"..... تمہارے لئے اس نے وہی دین مقرّر فرمایا جس کے متعلق نوح علیہ السلام کو ہدایت کی تھی اور اے رسول ﷺ اور وہ جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اور اسی کا ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔" (21)

اسلام کے عقائد میں پہلا اور بنیادی عقیدہ توحید کا تصّور ہے۔ اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اظہار اسلام کے پہلے رکن کلمہ شہادت، "لا الٰہ الا اللہ"، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، کی ادائیگی سے کیا جاتا ہے۔ جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی پہلی شرط ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کا فرمان ہے کہ

" ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ۔" (22)

ترجمہ: ”خدا تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) تو اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا نگراں ہے۔“

خلقتِ کائنات کے حوالے سے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات اور اس میں موجود تمام موجودات خواہ وہ نباتات ہوں حیوانات ہوں یا اشرف المخلوقات سب کا خالق اللہ ہے۔ قرآن الحکیم اللہ کی خلقت کی تعریف و توصیف یوں بیان کرتا ہے کہ:

”سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُO لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌO هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌO هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌO لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُO يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔“ (23)

ترجمہ: ”جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ (وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے، وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے۔ اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں، رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔“

خلقتِ انسانی کے متعلق اسلام یہ بتاتا ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا اور انہیں نبوت کے درجے پر فائز کیا گیا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍO فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔“ (24)

ترجمہ: ”اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک آدمی کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھنکھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں تو جس وقت میں اس کو ہر طرح سے درست کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔“

دینِ اسلام کی رو سے اللہ نے خلقتِ آدمؑ کے بعد بچی ہوئی مٹی سے حضرت آدمؑ کا جوڑ یعنی ان کی زوجہ حضرت حواؑ کو پیدا کیا تاکہ ان دونوں انسانوں کے ذریعے نسلِ انسانی پروان چڑھے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا انداز یوں بیان کیا گیا ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔“ (25)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔ اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت بر آری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

توریت وانجیل کے برعکس قرآن حکیم نے خلقت کے موضوعات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔ توریت وانجیل خلقت کے حوالے سے یہ بتاتی ہیں کہ ابتدا میں کائنات بے آب وگیاہ ویرانہ تھی لیکن یہ کہیں بیان نہیں ہے کہ بے آب وگیاہ ویرانے کی خلقت کس نے اور کیسے کی؟ جبکہ القرآن الحکیم بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور حاکم علی الاطلاق ہے وہ کسی کام کے کرنے سے عاجز نہیں ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ:

"إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔" (26)

ترجمہ: "جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا تو فوراً ہو جاتی ہے۔"

انسان کی خلقت کے اغراض و مقاصد کا جواب بھی قرآن مجید میں واضح اور مدلّل طور پر ملتا ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔" (27) ترجمہ: "ہم نے جن وانس کو فقط عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔"

قرآن حکیم کا یہ بیان اس بات کو آشکار کرتا ہے کہ انسان اوّل دن سے اپنے خالق کی پہچان کی اس فکر کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا ہے جسے عام اصطلاح میں مذہب اور اسلام میں دین کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے ہدایت کے واسطے نازل کیا گیا ہے۔ القرآن الحکیم میں بیان ہوا کہ:

"فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا..." (28) ترجمہ: "اپنا منہ دین کی طرف سیدھا ہو کر کر یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔"

*****

حوالہ جات

1۔ مولوی فیروزالدین، فیروزاللغات، (مادہ م ذ) فیروز سنز، لاہور، س ن، ص: ۱۲۲۳

2۔Encyclopedia of Religion And Religions by E. Royston Pike; Published by: the World Publishing Company, New York, 1958.

3۔Tylor E. B. Primitive Culture, Chapter, Animisim, Cambridge University press, 2010.

4۔ Hopfe,Lewis. M, Religions of The World, Prentice Hall 1979, pg 6 .

5۔Ibid , pg 21.

6۔Frazer James G., The Golden Bough, part 1, A Touchstone Book published by Simon & Schuster New York 1996, pg 36.

7۔Ibid, pg 62.

8۔Ibid, pg 69 .

9۔Marx Karl, Mark Engels on Religion, Schocken Books New York 1964, pg 38.

10۔Freud Sigmund, Totem And Taboo, Tr by A.A.Brill, Barnes & Noble Publishing, New york, 2005.

11۔Gathas, The Holy Songs of Zarathushtra, Translated by Mobed Firoz Azargoshasb,Yashna 32 and 42.

12۔Finegan Jack, Light From The Ancient Past, Princeton University Press U.S.A, 1946, pg 96.

13۔Freud Sigmund, Moses And Monotheism, Tr by Katherine Jones, Vintage Book, pg 41.

14۔Ibid pg 45.

15۔ ونسٹن رابرٹ، سٹوری آف گاڈ، (مترجم محمد یحییٰ خان)، ص نمبر ٦٦۔

16۔ عہد نامہ قدیم، کتابِ خروج، ۷: ۲۰، دس حکم۔

17۔ عہد نامہ قدیم، کتابِ یسعیاہ، ٦: ۴۴، خداوند ہی واحد خدا ہے۔

18۔ عہد نامہ قدیم، کتابِ خروج، ۳: ۲۰تا٦، دس حکم۔

19۔ عہد نامہ قدیم، کتابِ پیدائش، ۱: ۲، ۳۱: ۱تا ۳، تخلیق کا بیان۔

20۔ عہد نامہ جدید، انجیل یوحنّا، ۱، ۳، ۲، ۱۸، ۱۷، ۱٦، ۱۴، ۱۳، ۱۰، زندگی کا کلام۔

21۔ سورہ شوریٰ، آیت: ۱۳۔

22۔ سورہ انعام، آیت ۱۰۲۔

23۔ سورہ حدید، آیت ۱تا٦۔

24۔ سورہ حجر، آیت ۲۹، ۲۸۔

25۔ سورہ نساء، آیت ۱۔

26۔ سورہ یٰسین، آیت ۸۲۔

27۔ سورہ ذاریات، آیت ۵٦۔

28۔ سورہ روم، آیت ۳۰۔